باقی رہا یہ مسئلہ کہ جنگوں میں صریح جھوٹ اور کھلم کھلا دھوکا جائز ہے یا نہیں؟ اس میں اختلاف ہے، اکثریت کے نزدیک یہ سبھی کچھ جائز ہے، کیونکہ غلبۂ حق کے لیے جب گردنیں اڑائی جا سکتی ہیں تو جھوٹ بہرحال اس سے بڑھ کر سنگین بات نہیں ہے، جھوٹ سے غرض کسی کا حق مارنا اور اپنی زیادتی پر پردہ ڈالنا ہی ہوتی ہے، جنگ میں تو ع رہے بانس نہ بجے بانسری والی بات بن جاتی ہے کہ: خود حق دار ہی غائب کر دیے جاتے ہیں۔ مگر یہ ایک آخری جائزہ کار کی بات ہے تاہم اس کا ایک ممکن پہلو تو ہے ہی۔

ایک جماعت کا یہ نظریہ ہے کہ: تعریض تو جائز ہے، صریح جھوٹ جائز نہیں ہے۔

قال ابن بطال: سالت لبعض مشائخی عن معنی ھذا الحدیث: فقال الکذب المباح فی الحرب ما یکون من المعاریض لا التصریح بالتامین مثلاً (فتح الباری)

راقم الحروف کے نزدیک گو اضطرار کی صورت میں اصولی حد تک صریح جھوٹ کی اجازت ہے مگر اسلاف نے اس گنجائش سے بھی کبھی استفادہ نہیں کیا، خاص کر رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم اور آپؐ کے صحابہؓ کا دامن اس سے بالکلیہ پاک رہا۔

الیکشن گو مقابلہ کی ایک صورت ہے تاہم معروف معنوں میں یہ جنگ بھی نہیں ہے۔ اس لیے ہم اس میں صریح جھوٹ کے لیے کوئی گنجائش نہیں پاتے — مثلاً اسلام اور سوشلزم کے سلسلے کے انتخابات میں گو اسلام اور سوشلزم کے مابین مقابلہ ہے مگر یہ استصواب کی صورت ہے، خانہ جنگی کی شکل نہیں ہے۔

**انتخابات کا اسلامی طریقہ۔** آپ نے یہ سوال کر کے ایک عجیب بحث چھیڑ دی ہے۔ عجیب اس لیے کہ دورِ حاضر میں اس کا جواب بھی عجیب تر ہے، ہم سب نے جس ماحول میں آنکھیں کھولی ہیں، وہ ہمارے جواب کے لیے بھی بالکل ناسازگار ہے۔ غالباً قارئین بھی ایسا ہی محسوس کریں گے۔

**عوامی انتخاب۔** دورِ حاضر کا انتخاب (۱) مبنی بر تکلف خفیہ پرچی (بیلٹ پیپر) (۲) (۳) تحزب اور (۴) عوام کے عامیانہ انتخاب کا دور کہلاتا ہے۔

**خفیہ پرچی۔** خفیہ پرچی سے غرض ایسے باضمیر اور معاملہ فہم ووٹر کی آزادانہ رائے کا استعمال ہے — جو خارجی عوامل کے دباؤ سے آزاد ہوتے ہیں! لیکن افسوس یہاں یہ راز، راز بھی نہیں رہتا — بلکہ اس مصنوعی صیغۂ راز کی آڑ میں جو بدکاری راہ پا جاتی ہے وہ اس راز کی پاکیزگی

کو گندگی کے ڈھیر میں تبدیل کر دیتی ہے۔ خفیہ پرچی اگر اس خاموش فضا کا حاصل ہوتی، جو تسکاریوں کی شاطرانہ پانہ باری سے بے داغ رہ کر صرف انسان کی ذاتی صوابدید، تعامل، تجربات اور تعارف کا نتیجہ ہو سکتی ہے تو پھر اس کی بھی کچھ قیمت ہو سکتی تھی۔ لیکن یہ سب جانتے ہیں کہ ہر دور میں ایسا نہیں ہوتا۔

امیدواری۔ امیدواری اور پھر امیدوار کی طرف سے گمراہ کن مہم جوئی ہمارے نزدیک اسلامی اور آزادانہ انتخابات کی روح کے بالکل منافی ہے مگر یہاں یہ سب سے بڑی سعادت تصور کی جاتی ہے۔ تحزب۔ یعنی پارٹی سسٹم، اسلام کے نزدیک بہرحال یہ سسٹم یہود و نصاریٰ کی حماقتوں کے باقیات میں سے ہے۔ ملت اسلامیہ میں علمی اختلاف رائے کے لیے تو گنجائش ممکن ہے لیکن اس کی بنیاد پر فرقہ بندی کی اسلام اجازت نہیں دیتا۔ یہاں حکومتیں ہی پارٹی سسٹم اور فرقہ بندی کی بنیاد پر بنتی اور بگڑتی ہیں بلکہ ایسی حکومتیں اس نامراد سسٹم کو تحفظ بھی مہیا کرتی رہتی ہیں، مگر اسلام میں جو حکومتیں بنتی ہیں، وہ پارٹی سسٹم کی پیداوار نہیں ہوتیں اور نہ اس کو وہ تحفظات مہیا کرکے ملت اسلامیہ کے شیرازہ کا خون کرتی ہیں — بلکہ جہاں اور جب اس کی گدگدی محسوس کی گئی ہے، اسلامی حکومت نے ہمیشہ اس کو دبایا ہے — بہرحال یہ تحزب اور پارٹی سسٹم مروجہ انتخابات کا اولین خمیر ہے جو انتہائی مکروہ شے ہے، اس کو جاہ پرست کھلنڈروں نے اپنی تن آسانی کے لیے زینہ بنایا ہے۔ جو بہرحال مذموم بات ہے۔

**عامیانہ انتخاب۔** اس دور بہیمیت نے "اقتدار" کو خدمت کے بجائے کاروبار اور کام و دہن کے چسکے کی تسکین کے لیے ایک دھندا بنا ڈالا ہے اس لیے "جہانبانی" کے نقطۂ نظر سے "ریاست" کی تشکیل نہیں کی جاتی بلکہ "روٹی کپڑے" سے پرے اس کے لیے اور کوئی دائرہ کار رہنے ہی نہیں دیا گیا۔ چنانچہ آپ نے محسوس کیا ہوگا کہ اس ترقی یافتہ دور میں بھی "انسانیت" کے بجائے انسان کی حیوانیت کی زیادہ خدمت کی گئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عوام کے انتخاب میں ان کی اس بہیمانہ حس کے سوا اور کوئی برتر تحریک کا نشان نہیں ملتا — ورنہ حیوانوں کے بجائے انسان ضرور منتخب ہو پاتے۔

ابن آدم کو گمراہ کرنے کے لیے شیطان نے اب تک جو جو پاپڑ بیلے ہیں، ان سب سے اس کی یہ عظیم دریافت ہے — جو عوام رہنمائی کے دست نگر تصور کیے جاتے ہیں۔ ظاہر ہے وہ انتخاب بھی انہی حیوانوں کو کریں گے جو ان جیسے عامی اور پست فطرت کے لوگ

ہو سکتے ہیں۔ کیونکہ کیکر کے درخت سے سیب یا انگور اور آم برآمد نہیں کیے جا سکتے۔ پھر ان سے یہ کیسے توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اونچے انسانوں کو ہی انتخاب کر کے لائیں گے۔

**اسلام میں طریقۂ انتخاب۔** گو وقت اور حالات کے مطابق طریق کار میں مناسب تبدیلیاں ہوتی رہتی ہیں لیکن ایسی تبدیلی جس سے طریق کار کی بنیادی روح مجروح ہو سکتی ہو غیر اسلامی تبدیلی کہلاتی ہے۔ اس لیے ہمارے نزدیک مندرجہ بالا چاروں طریقے جوں کے توں قبول کرنا غیر اسلامی انداز ہے۔

خفیہ پرچی کی جگہ ملک میں امیدوار کی عمومی نیک شہرت کو بنیادی حیثیت حاصل ہونی چاہیے اور تحزب (پارٹی سسٹم) کے بجائے "ملت واحدہ اور امت مسلمہ" اپنے اندر سے حسب حال اور محض اپنے ملی اور دینی مستقبل کے لیے کچھ لوگوں کو پیش کیا کرے اور عوام کے بجائے ملت اسلامیہ کے خواص جو سیاسی اور دینی سوجھ بوجھ اور تجربہ رکھتے ہیں وہ مل کر بیٹھیں اور علاقائی و طبقاتی تصورات سے بالاتر رہ کر پوری خدا خوفی کے ساتھ ملی قیادت کے لیے مناسب اشخاص کا انتخاب کیا کریں۔ کیونکہ یہ بات ایک دوسرے کی جانشینی کی نہیں ہے بلکہ یہ رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی مقدس جانشینی کی بات ہے۔

**سب سے پہلے جانشین کا انتخاب۔** سقیفہ بنی ساعدہ میں ایک ہنگامی اجلاس ہوا۔ گو یہ اجلاس کھلا تھا، تاہم بات پر خواص نے غور کیا۔ کافی بحث و تمحیص کے بعد طے پایا کہ: کہ عرب کی قیادت کے لیے قبیلۂ قریش میں سے کسی فرد کا انتخاب ہونا چاہیے، کیونکہ اس کے بغیر عرب سے خراج اطاعت حاصل کرنا مشکل ہے ـــ یعنی خلیفہ کو با اثر اور نیک شہرت رکھنے والے خاندان کا فرد ہونا ضروری ہے۔ کیونکہ مقصود اطاعت تھی ـــ

آپ حیران ہوں گے کہ یہاں دوسرے اور قابل ذکر محاسن اور شرائط کا ذکر نہیں ملتا۔ اور نہ ان کی "تلاش" کے لیے کہیں سے کوئی صدا بلند ہوئی۔ آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

بات یہ ہے کہ پیغمبر کی جانشینی کے لیے اور جن مکرمات، صفات حسنہ اور ملکات کاملہ کی ضرورت ہو سکتی ہے وہ ان کے ہر فرد میں پہلے سے موجود تھے۔ وہاں بات "خلا" کی نہیں تھی بلکہ وہاں ایک دوسرے سے بڑھ چڑھ کر سماں طاری تھا اس لیے اب بات یہ رہ گئی تھی کہ قبیلہ کون سا ہو جس کے سامنے عرب بخوشی سر اطاعت خم کر سکتے ہیں۔ چنانچہ اس پر سب نے اتفاق کیا کہ وہ قبیلہ قریش ہے، ان میں سے بھی بہتر اب صرف صدیق اکبر رضی اللہ عنہ ہیں! اس

انتخاب کے بعد آپ کے ہاتھ پر بیعت کی گئی۔

یہاں انتخاب "اعیانِ ملت اور خواص" نے کیا۔ اور بغیر کسی متمنی امیدوار کے کیا، از خود کیا اور جس کا انتخاب کیا، اس کو بھی اس وقت اس کا علم ہوا جب اس کو انتخاب کر لیا گیا۔

دوسرے جانشین کی باری۔ حضرت عمرؓ کی جب باری آئی تو خلیفہ وقت نے اس کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ خدا ترس خلیفہ نے خدا کے سامنے اس کی جوابدہی کے پورے احساس کے ساتھ اسے نامزد کیا جس کی بعد میں اعیان ملت اور دوسرے مسلمانوں نے تصدیق کر دی۔ یہاں بھی انتخاب خواص کی نگاہِ انتخاب کا نتیجہ تھا، عوام کی بھیڑ چال کا نہیں تھا۔

تیسرے جانشین کا انتخاب۔ حضرت عثمانؓ کے انتخاب کے لیے اکابر قوم اور اعیانِ ملت کا ایک بورڈ مقرر کیا گیا، جس نے کافی چھان پھٹک کے بعد حضرت عثمانؓ کا انتخاب کیا اور بعد میں مسلمانوں نے اس پر اعتماد کیا۔

خواص کے ذریعے "انتخاب" کا طریقہ انجام اور مآل کے اعتبار سے سلامت روی اور طمانیت کا طریقہ ہے۔ عوام بھی خواص کی عینک سے دیکھتے ہیں اور یہ راہ شارٹ کٹ بھی ہے اور یہ کہ بعد کی بے اطمینانی کے ازالے کے لیے مفید بھی۔

چوتھے جانشین۔ مگر افسوس! چوتھے خلیفے حضرت علیؓ کا انتخاب بعض ناگزیر وجوہ کی بنا پر خواص کے بجائے عوام کے ہجوم میں ہوا۔ چنانچہ اس "عوامی انتخاب" کے نتیجے میں جو خلفشار رونما ہوئے ان کے علاوہ بھی بالآخر عامی ہی انداز میں نمودار رہا ـــــ اور اس فرق کو نہ سمجھ سکنے کی وجہ سے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ جیسی عظیم اور بزرگ ہستی جو اپنی باری پر سب سے زیادہ استحقاق خلافت کی حامل شخصیت تھی، کے سلسلے میں جو فتنے اُبھرے، ان کے اصلی سبب کو دور کرنے کی طرف توجہ نہ دی گئی۔ بلکہ اس کے برعکس اسے بعد میں آنے والے انتخاب کی بنیاد بنا ڈالا جس سے وہی نتائج برآمد ہوئے جو یہاں نمودار ہوئے۔ حالانکہ حضرت علیؓ کا انتخاب شورش کے دوران ہوا اور انتہائی غیر متوازن حالات میں ہوا۔ اسے نارمل حالات کے لیے مثال تصور کرنا مناسب نہیں تھا۔ بہرحال بعد میں بھی جب کہیں اس عوامی انتخاب کی باری آئی، یہی ہوا یعنی دائمی انتشار، عوام کی سطحی خواہشات کا احترام اور سماجی قسم کی برائیوں کے لیے تحفظات۔ چنانچہ باطل کے بجائے ایک دوسرے کے خلاف نعرے نے اس قدر طول کھینچا کہ اب دنیا نے اسے ہی "جہاد حق" تصور کر لیا۔ باطل دندناتا رہا لیکن وہ کسی کو نظر نہ آیا۔ طاغوت کا تو کچھ نہ بگڑا مگر جعلی قسم کے مجاہدوں نے ایک دوسرے کے سر ضرور قلم کیے۔

اس عوامی انتخاب کی وجہ سے عوام کو خوش رکھنے کے لیے خدا اور رسولِ خدا کی خوشنودی کا احساس جاتا رہا، اس لیے اب عوامی انتخاب کے ذریعے عامی قسم کے رہنما اقتدار کی کرسی پر متمکن ہوئے، جو عوام ہی رہے اور عامیانہ ہی کام کرتے رہے۔

انتخاب کی ڈور خواص کے بجائے عوام کے ہاتھ میں تھما دینے کا نتیجہ یہ نکلا کہ خواص بالکل پس پردہ چلے گئے اس لیے عوام قابلِ ذکر قیادت سے محروم ہونے کی وجہ سے زیادہ متوازن نہ رہ سکے، جس کے بعد عموماً وہی کچھ ہوا جو ایسی صورتِ حال کا قدرتی تقاضا ہو سکتا ہے۔ یعنی عوام کے عامیانہ کاموں کے عامیانہ نتائج!

اس سلسلے کے دوسرے تفصیلی دلائل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ بہر حال ہم جو کچھ کہنا چاہتے ہیں وہ صرف اتنی بات ہے کہ: انتخابات کے مذکورہ چاروں طریقے غیر اسلامی ہیں اور حد درجہ نقصان دہ بھی ہیں۔ خلفائے راشدین میں سے پہلے تینوں خلفاء کا جس طرح انتخاب کیا گیا تھا اسی میں اب بھی ہمارے لیے عافیت ہے، چوتھے خلیفے کے عوامی انتخاب کا نتیجہ شایانِ شان نہیں رہا۔

ہم اس کے علاوہ یہ بات بھی ضروری تصور کرتے ہیں کہ جب تک مروجہ طریقے سے انتخابات کا سلسلہ جاری رکھنا ناگزیر ہے وہاں تک یہ ضروری ہے کہ انتخاب سے تین ماہ پہلے وزیر اعظم اور صدر دونوں مستعفی ہو جائیں اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس زمامِ کار اپنے ہاتھ میں لیں۔ ہاں اس صورت میں یہ بھی ازبس ضروری ہے کہ ہائی کورٹ اور سپریم کورٹ کے چیف جسٹس کی نامزدگی کا طریقہ ختم کیا جائے اور سینئرٹی لسٹ کے مطابق قدرتی طریقے سے ان کے تقرر کی ضمانت بھی دی جائے تاکہ انتخابات کراتے وقت وہ بالکل خالی الذہن ہو کر اپنے فرائض انجام دیں۔

**عورت اور الیکشن۔** اگر عورت کو اس سے معاف رکھا جائے تو اس کے لیے بھی مفید ہے اور اسلامی روح کے بھی قریب تر یہی بات ہے۔ عورت کے نوعی تقاضے اور صنفی نزاکتیں بھی سدِّراہ ہیں، خاص کر (۱) بچوں کی پرداخت (۲) حمل کی کوفت اور (۳) ماہانہ مخصوص حالات اس امر کے متحمل نہیں ہیں کہ وہ دلجمعی اور یکسوئی کے ساتھ قومی نمائندگی اور قیادت کی ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہو سکے۔

اگر یہ خاتون، حسن و حسین، خالد، ابو عبیدہ، طارق، محمد بن قاسم اور عمر جیسی نسل کی تیاری ہی قوم کی کوئی خدمت انجام دے سکے تو یہ اس کا عظیم کارنامہ ہوگا اور اس کا ایک بہت بڑا احسان بھی۔ زمانہ ایام اور حمل میں عورت کا مزاج قدرتاً غیر متوازن ہوتا ہے، جس کی بنا پر اس سے